سائیف شیر آبادی

از:- میرک شاہ طالب
کاندہامی

شیر آباد ہانجی ویرہ پٹن کے نزدیک برلب نالہ فیروز پورہ واقع ہے اس جگہ کا پرانا نام "کھور" تھا۔ بیسویں صدی عیسوی میں کھور میں تین عظیم ہستیاں شہرت پاگیئں جن کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:-

۱۔ پیر غلام محی الدین صاحب (مرحوم) جو بلند پایہ عالم بزرگ اور باشرع سالک تھے۔

۲۔ حکیم غلام محی الدین صاحب جو اعلیٰ پایہ کے حکیم ہونے کے علاوہ بلند پایہ عالم وفاضل تھے۔

۳۔ اسماعیل صاحب جو کہ اعلیٰ درجے کے مجذوب فقیر تھے حکیم غلام الدین سائیف حکیم غلام محی الدین صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔

روزنامہ سرینگر ٹائمز کے مدیر صوفی غلام محی الدین نے سائیف کی سوانح عمری اس طرح لکھی ہے جو کہ سائیف نے اپنی زبان سے اسی طرح ان کے سامنے

بیان فرمائی تھی۔

"میرے والد بزرگوار حاجی الحرمین پیر غلام محی الدین حکیم المعروف مہدہ صاحب کھور تھے۔ وہ نہ صرف معروف و مشہور حکیم تھے جن کے پاس ریاست کے علاوہ لاہور، بمبئی، امرتسر وغیرہ سے مریض بغرض علاج آیا کرتے تھے اور شفایاب ہو کر چلے جاتے تھے بلکہ اعلیٰ پایہ کے صوفی بزرگ بھی تھے بلند پایہ نعت خوان اور منقبت خوان بھی تھے ہر ماہ یازدہم شریف بڑی عقیدت اور دھوم دھام سے مناتے تھے سینکڑوں غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور بلا امتیاز مذہب و ملت عوام الناس کی خدمت کرتے تھے بیماروں سے دو آنے فی کس کے حساب فیس حاصل کرتے تھے لیکن غریبوں کو مفت علاج کرتے۔

ہمارا سلسلۂ نسب بابا عثمان سے جا ملتا ہے۔ جن کا مرقد نعلبند پورہ صفاکدل میں واقع ہے۔ اور پاس ہی سڑک کی دوسری طرف برلب دریا ان کے مرشد بزرگوار سید شاہ نعمت اللہ قادریؒ کا آستان عالیہ ہے قریب دو سو سال قبل خاندان کے ایک بزرگ موضع پوشونی ٹین آکر سکونت پذیر ہوئے ان کی اولاد میں سے میرے دادا پیر حفیظ اللہ حکیم کھور آباد ہوئے طبابت ہمارا آبائی پیشہ ہے۔

میری ولادت ۲۷، ربیع الاول ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور قرآن شریف مولوی بدر الدین مرحوم سے حاصل کی جو سرینگر متصل جامع مسجد کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے کھور میں ایک درسگاہ کا قیام عمل میں لایا تھا اور "معراج نامہ بزبان کشمیری" کے مصنف بھی تھے۔ اس کے بعد بالترتیب پیر حسن شاہ نارہ بلی سے گلستان و بوستان اور سکندر نامہ پڑھا۔ اس کے بعد علم حکمت حکیم احمد شاہ کارہامہ اور شمس العلماء مفتی

ضیاالدین مرحوم فتح کدل جن کے فرزند ارجمند صدر مفتی جلال الدین صاحب ہیں سے حاصل کئے۔ بعد ازاں میر واعظ مولوی یوسف شاہ صاحب مرحوم سے عربی تعلیم حاصل کی۔

" پیر عزیز اللہ حقانی صاحبؒ سوپور بگہ میرے مرشد بزرگوار تھے۔ وہ نہ صرف صاحب کمال بزرگ تھے بلکہ کشمیری زبان کے ممتاز شاعر تھے۔ میری عمر تقریباً سولہ برس کی تھی کہ میں نے ایک رات حقانی صاحبؒ کو بید کے ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائے دیکھا۔ ان کے سامنے آب زلال کا بھرپور چشمہ تھا۔ حکم ہوا " غلام الدین صاحب اس چشمے کا سارا پانی پی سکتے ہو؟" میں نے عرض کیا: " اگر آپ کی دعا شامل حال ہو تو یہ سارا پانی پینا کونسی بڑی بات ہے" چنانچہ گھٹنوں کے بل بغیر کسی برتن کے میں نے چشمے کا سارا پانی پی لیا۔ یہاں تک کہ منبع کی ریت میرے دانتوں میں آگئی میں خواب سے بیدار ہوا اور مجھے پہلے اس شعر کا الہام ہوا ؎

ای کہ دل و دیدہ بہ قربان تو　　عقل و خرد والہ و حیران تو

اور اسی وقت سے میری شاعری کا آغاز ہوا اسی بنا پر میں نے اپنی کتاب کے سرورق پر یہ اشعار چسپاں کئے ہیں۔

اگر داری خیال رستن از بند　　عزیزی را بہ حقانی بہ پیوند
اگر سایف عجب اندیشی و خوشگوات　　ہمہ از یمن خاک تقدم اوست
درِ خاصان ہوس از ہوشمندی　　پسندی حق پسندیدت پسندی

اسی دوران بہت سارے ادب دوستوں کے ساتھ میرے مراسم رہے۔ بالخصوص خواجہ غلام محمد صاحب جالب جو آج کل سرینگر میں ہیں نے میرے حوصلے بڑھائے پٹن میں ان دنوں ان کی ایک ایجنسی تھی جہاں شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہوتی

تھیں اور طرحی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ خواجہ سیف اللہ بیگ پرتو حکیم عبدالحی خواجہ غلام محمد جالب۔ اور ناچیز سائیف ہفتہ وار ادبی محافل منعقد کرتے تھے جالب صاحب اس وقت صاحب دیوان ہیں۔ اور قادر الکلام اردو شاعر بھی۔

علمائے کرام جن کے ساتھ ملنے کا مجھے اتفاق ہوا شیخ الحدیث مولوی انور شاہ صاحب۔ میر واعظ مولوی احمد اللہ صاحب۔ استاذی شمس العلماء مولانا ضیأ الدین صاحب۔ مفتی جلال الدین صاحب۔ مولوی عنایت اللہ صاحب کریری میر واعظ مولوی یوسف شاہ صاحب۔ میر واعظ مولوی فاروق صاحب۔ مفتی اعظم بشیر الدین صاحب۔ مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب وغیرہ میرے ہمدرد اور قدردان احباب رہے ہیں۔

غلام محمد صاحب جالب۔ غلام قادر بیدار صاحب۔ صوفی غلام محمد صاحب ایڈیٹر سرینگر ٹائمز۔ بشیر احمد صاحب کارٹونسٹ۔ صوفی غلام محی الدین صوفی سے سید جلال الدین قادری صاحب آف سرینگر ٹائمز۔ میر غلام محمد صاحب سجن۔ سید حسین صاحب سابقہ ممبر پارلیمنٹ۔ شمس الدین صاحب سابقہ وزیر اعظم حکیم حبیب اللہ صاحب ڈپٹی منسٹر۔ حکیم غلام رسول صاحب جیلانی۔ عبدالرشید صاحب شاہین۔ غلام قادر صاحب شالہ۔ غلام مصطفیٰ صاحب ہنڈو۔ غلام مصطفیٰ صاحب بانڈے۔ غلام محمد صاحب بیگ۔ عبدالرحمان صاحب راحت۔ عبدالرحمان صاحب راہی۔ خواجہ دل محمد صاحب مرحوم پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور ٹاک زینہ گیری۔ حبیب اللہ شیخ صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ کھور۔ پیر زادہ غلام محمد صاحب کھور میرے ہم عصر اور ہم نوا رہے ہیں۔

"ایام جوانی میں کسی نے ہم کو توجہ کا مستحق نہ سمجھا لیکن جب بڑھاپے نے گھیر لیا تو سب

سائف سائف کہہ کر پکارنے لگے ؎

در جوانی اتفاقی عکس با ماند کرد
ماشد یم انگشت نما چون خم کمر شد چون ہلال

میں سائف نے اپنے عزیز دوست بیدار صاحب کے اصرار پر اپنی تخلیق چھپوانے کے لئے ان کی معیت میں کلچرل اکیڈیمی سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن انہوں نے چھپائی کی ساری لاگت اپنے ذمے لینے سے انکار کیا اور پھر خود بھی اس لاگت سے متحمل نہ ہوسکا پھر میں نے اپنے دوستِ قدیم خواجہ محمد جالب کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے کمال ہمدردی سے نہ صرف اس کی ترتیب و تدوین کی بلکہ نشر و اشاعت کی ساری لاگت اپنے ذمے لے لی جس کا میں تہہ دل سے مشکور ہوں۔ عہد شباب کی ساری ادبی صلاحیتیں میں نے غزل و قصاید پر صرف کردیں لیکن پچاس سال کی عمر میں یہ ساری محنت رایگان اور بیکار محسوس کی۔ غزل کسی زبان میں ہو۔ ہوائی قلعے تعمیر کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ایک مفروضہ محبوب کا تصور سامنے لاکر اس کی زلفوں اور نرالی آنکھوں کی تعریفوں کے پل باندھنے تک ہی محدود ہے۔ اسی احساس کے تحت میں نے یہ چند اشعار لکھے ؎

باغزل بی ہودہ عمری باختم	بر ہوا تعمیر قصری ساختم
بی سبب صحرا نوردی کردہ ام	منزلی پیشِ نظر ناوردہ ام
سائفا بیرون بیاز ین تنگنای	در فضای بی نہایت پر کشای

میں نے تین زبانوں یعنی اردو، فارسی اور کشمیری میں طبع آزمائی کی ہے۔ ممکن ہے کہ میری اردو شاعری میں کچھ خامیاں موجود ہوں۔ آخر تو میں پرائمری پاس ہوں۔ لیکن

فارسی اور کشمیری میں ایسا ناممکن ہے۔

کچھ اپنی معاشی حالت کے مطابق فلک جفاکش نے قدم قدم پر میرے لئے مشکلات پیدا کئے لیکن میں بھی ہار ماننے والا نہیں تھا میں برابر مقابلہ کرتا رہا چنانچہ میں نے اپنی اس رباعی میں اپنی حالت کا خاکہ کھینچا ہے ؎

چرخ باما او فتاد اندر پئے آزار ہا
سائلؔ از خود زیست گر دون ورنہ کشش بار ہا
کشتی دل را نہ در طوفانِ غم دادم ز دست
ہمچو گل سے خنداں بدم اندر ہجوم خار ہا

خواجہ غلام محمد صاحب (جالب کاشمیری) لکھتے ہیں:۔

"سائل صاحب نہایت دین دار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں بسا اوقات نماز جمعہ پڑھانے کا فریضہ بھی ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی عیدین کی نماز بھی پڑھاتے ہیں۔

ان کے آبا واجداد سلسلۂ قادریہ سے منسلک رہے ہیں پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا لیکن سائل صاحب اس تعلق میں خشک ثابت ہوئے پیر عزیز اللہ حقانی ان کے مرشد بزرگوار تھے۔ جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور جن کا کلام شرعی وطرحی محفلوں میں شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

سائلؔ کو شعر وشاعری کے ساتھ فطری لگاؤ تھا۔ ان کا ذوق سلیم خداداد تھا اس لئے انتہائی مصروفیات کے باوجود فرصت کے جو لمحات بھی میسر ہوئے انہوں نے مقدور بھر ان سے فائدہ اٹھایا۔ اپنے ذوق کی تسکین کی اور خیالات کو شعری جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ طبابت میں انتہائی مصروفیات کی وجہ سے اس وقت

تک اپنی شعری گذاشت تخلیق کو نہ چھپوا سکے۔

ان کی عمراب تقریباً چوہتر سال ہے۔ ان کی یہ آرزو کہ ان کا کلام ان کی حیات میں طبع ہو کر کتابی شکل میں سامنے آجائے۔ اور یہ خود ان کے بس کی بات نہ تھی ان کے احباب کو جب اس خواہش کا پتہ چلا تو قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" یعنی مجھے ہی اس کام کے لئے چنا۔ اگرچہ ضعیفی و ناتوانی میں میں بھی سائل صاحب سے کچھ کم نہیں ہوں تاہم میں نے (ابھی تو میں جوان ہوں) کے گمان سے یہ ارادہ کیا کہ اپنے دوست کی تسکین قلب کے لئے یہ کام کامیابی کے ساتھ سرانجام دوں"

صوفی غلام محی الدین ایڈیٹر روزنامہ سرینگر ٹائمز ان کی شاعری اور قادر الکلامی کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:۔

"کشمیر ایک زمانے میں فارسی علم و ادب کا گہوارہ رہا۔ مسلمان سلاطین کے دور یعنی ۱۳۲۰ء سے ہی کشمیر میں فارسی کا آغاز ہوا زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ فارسی کشمیر کی سرکاری زبان بن گئی۔"

۱۸۸۹ء تک فارسی کشمیر کی سرکاری زبان تھی۔ اس عرصہ کے دوران کشمیر کے کافی لوگوں نے فارسی شاعری میں طبع آزمائی کی۔ کشمیر نے چودھویں صدی سے انیسویں صدی کے آغاز تک کافی فارسی عالم، ادیب، شاعر، فلسفہ دان اور مؤرخ پیدا کیے۔ کشمیر میں فارسی شاعری اگرچہ دربار تک ہی محدود رہی لیکن فارسی زبان کی درس و تدریس نے کافی عالم پیدا کیے۔ ۱۹۴۰ء تک فارسی زبان میں تمسک بیع نامے اور دوسرے دستاویز لکھے جاتے تھے۔ فارسی جاننے والے لوگوں کی خاصی تعداد کشمیر میں موجود تھی۔ اردو اور انگریزی تعلیم کے پھیلاؤ کے بعد فارسی متروک ہو گئی اور

فارسی میں طبع آزمائی کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ فارسی کے متروک ہونے کے باوجود اس وقت بھی کشمیر میں کافی عالم اور شاعر موجود ہیں جو اب تک فارسی میں لکھتے ہیں ان شعراء میں ہمارے ایک بزرگ پیر غلام الدین حکیم سائلؔ بھی ہیں۔ جو اردو اور انگریزی کے رواج کے باوجود اب تک فارسی زبان میں شعر لکھتے ہیں۔ سائلؔ صاحب ایک کامیاب فارسی شاعر ہیں۔ اگرچہ ان کی شاعری کا طرز روایتی ہے لیکن خیالات موزون کرنے، علامتوں اور استعاروں کا استعمال انہوں نے جس طریقے پر کیا ہے اس سے ان کے فارسی اشعار کا حسن دو بالا ہو گیا ہے۔ اور ان کے اشعار اعلیٰ پائے کے فارسی شاعروں کے ہم پایہ مانے جاسکتے ہیں۔ سائلؔ صاحب صاحبِ دیوان ہیں۔ لیکن ان کا کلام اب تک مجموعہ کی صورت میں منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ کشمیر میں اگر فارسی جاننے والے لوگ موجود ہوتے تو ان کے اشعار ہر نوکِ زبان پر ہوتے۔ اس کے باوجود وہ طبقہ جو فارسی سے لگاؤ رکھتا ہے اور فارسی جانتا ہے وہ سائلؔ کے فارسی اشعار کا کافی مدح خوان ہے۔

سائلؔ نے غزل اور قصیدے بھی لکھے ہیں لیکن قصیدہ گوئی کے باوجود انہوں نے کبھی اپنے اشعار کے لئے کسی سے داد حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ وہ گمنام رہ کر شعر لکھتے رہے۔ جوہر شناس ان کے اشعار کی معنویت اور ان کی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے رہے۔ سائلؔ نے لوگوں کی تعریف و توصیف سے بے نیاز ہو کر اپنی طبع آزمائی کا کام جاری رکھا۔ وہ لکھتے رہے اور اپنے کلام کو اپنے پاس محفوظ رکھتے رہے انہوں نے اپنے فارسی اشعار کی اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ بھی اشاعت کی کوشش نہ کی۔ جو لوگ ان کے فارسی اشعار کے قدردان تھے وہ

سر دھنتے رہے لیکن ان کے اشعار کی اشاعت و ترویج میں ان کی معاونت سے گریز کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ سایف کا دیوان اب تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔

پیر غلام الدین سایف سے میرا تعارف میرے دفتر میں ہوا۔ اپنی ضعیف العمری میں، وہ میرے پاس اپنے فارسی اشعار کی اشاعت کے لئے آئے ہیں۔ میں نے جب پہلی بار ان کے فارسی اشعار پڑھے تو میں ان کی شاعرانہ عظمت کا معترف ہوا۔ میں انکے فارسی کلام کو سرینگر ٹائیمز کے صفحات پر شایع کرتا رہا لیکن فارسی سے نابلد ہونے کے باعث لوگ اس شاعر کے کلام کی خوبیوں اور انکے اثر آفرینی سے بے خبر ہی رہے۔ کشمیر کے اس فارسی شاعر کو اپنی استعداد کے مطابق علمی اور ادبی حلقوں میں جو درجہ ملنا چاہیے تھا وہ اسے نہیں ملا۔ وجہ یہ تھی کہ سایف خود شناس تو تھا لیکن ان میں خود ستائش نہیں تھی۔ وہ پروپگنڈے کے ذریعہ اپنے شاعرانہ کملات کی تشہیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ ایک فارسی شعر کے مطابق ع

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

سایف کے فارسی اشعار میں ایک مہک تھی جو مہک ان لوگوں کے دل و دماغ کو معطر کرتی رہے جو شعر کی ماہیت سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے ہیں۔ میں نے اس مہک کو محسوس کیا اور یہ اپنی ذمہ داری سمجھی کہ اس گمنام مگر قابلِ قدر فارسی شاعر کی شاعرانہ خوبیوں سے دنیا کو واقف کروں"

"بہر حال سایف کا دیوان ۱۴۳۱ھ میں شایع ہوا۔ جس کے

متعلق سائیؔ خود فرماتے ہیں ؎

از پئے سال طباعت خواستم از خدا
طبع شد از لطفِ حق تصنیفِ سائیؔ جنذا ۱۴۰۱ھ

مندرجہ ذیل اشعار بھی سال طباعت پر لکھے گئے ہیں ؎

چاردہ صد سالہ آمد اختتام — از زمانِ ہجرتِ خیر الانامؐ
زعہد ہجرت ہاتفی آواز داد — "چاردہ صد سالہ ہجری شد تمام" ۱۴۰۱ھ

سائیؔ کی فارسی شاعری میں قصاید، غزلیات، رباعیات اور قطعات وغیرہ شامل ہیں۔ قصائد میں امرأ و وزرأ کی مدح سرائی نہیں۔ ان کے قصائد بے ہودہ مدح سرائی کے بدنما داغوں سے پاک ہیں۔ آپ کے قصاید مناجات اور نعوت و مناقبات پر مشتمل ہیں۔ جیسا کہ صوفی بزرگوں کا شیوہ رہا ہے۔ حضور اکرمؐ کی بارگاہ رسالت میں اس طرح دادِ گدائی دیتے ہیں ؎

ای کہ دل و دیدہ بقربانِ تو — عقل و خرد والۂ و حیرانِ تو
چشمِ من و کوسہ درِ دولتت — دستِ من و گوشۂ دامانِ تو
شاد کنی خاطرِ غمگین اگر — چیست کم از لطفِ فراوانِ تو؟
گو درت سائیؔ دامن تہی — چشم نہاد ست بہ احسانِ تو

آپ کی غزلوں میں اعلیٰ درجے کی تشبیہیں اور استعارے موجود ہیں فصاحت اور بلاغت کے زیور سے ان کا کلام آراستہ ہے۔

سائیؔ کی سوانح عمری اور شاعری کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ انوری کی طرح ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں

جسکی وجہ سے وہ ہمیشہ فلکِ کج رفتار اور گردشِ روزگار سے ترسان و گریزان
معلوم ہوتے ہیں ؎

سرشتِ ای فلک بازیگر یہاست
کجی بار استان باکجروان راست
بہ نخلِ راستی حنظل بہ بخشی
ز شاخِ کج کنی انگور آراست

اگرچہ موجودہ دور میں شاعری کی طرف ایک حقیر فن کی حثیت سے دیکھا جاتا ہے
لیکن "قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری"۔ سایف کی ایک رباعی پیشِ خدمت ہے ؎

دہانِ ہر یکی شکر فشان نیست زبانِ ہر کسے رنگین بیان نیست
نوشتِ ہر گلے خوشبو ندارد نصیب ہر چمنے زعفران نیست

سایف کو علمِ ابجد پر بھی کافی عبور تھا چنانچہ انہوں نے اپنے کئی
اشعار میں چند تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مثلاً سال طباعت دیوان سے
(مذکورۃ الصدر)۔ سالِ وفاتِ اسماعیل سے صاحب مجذوب (کھور) سالِ وفاتِ برادرِ
سایف۔ اپنے والدِ بزرگوار پیر غلام محی الدین حکیم کا سالِ وفات اس طرح بیان
فرمایا ہے ؎

مطلعِ انوارِ معانی سے برفت
واقفِ اسرارِ نہانی سے برفت
ہاتف از آن غرقۂ عشق نبی" ۱۳۶۳ھ
گفت ز جہان جامیِ ثانی برفت

بلند تخیلات کی فضا میں پرواز کرنے کے باوجود بھی سائیف کو اپنے گھونسلے پر نظر رہتی تھی ۔

ہر چند بالا می روی
پست از نظر پنہاں مکن

جالب صاحب جب ۱۹۳۹ء میں مظفر آباد سب جیل میں سیاسی اسیر تھے تو یہ منظوم خط سائیف صاحب نے عید کی تقریب پر ان کو بطور ہدیۂ عید بھیجا تھا۔

تحفۂ عیدی بنام دوستِ قیدی

با ہلالِ عید گفتم از چہ عزت یافتی ؟
گفت زین ہمہ پیرایہ انوار از ندم پنہاں کاستن
گفتمش سے تخ بستہ چون پیدا ز لال آور دہ گفت
تا گزید اندر تموزِ مہر تابان کاستن
گفتمش پروانہ عمن چون شود آفاق گفت
ارز شمع آموختی با چشم گریان کاستن
گفتمش یابد عزیزم چون سریرِ مصر گفت
ہمچو یوسف بایدش چندین بزندان کاستن
گفتمش یک دل شود چون سائیف و جالب بگفت
باید اول ہر دو را در سوز ہجران کاستن

راقم الحروف نے چند سال قبل بٹہ مالو کے بس سٹیشن پر سائیف صاحب

کے ساتھ گھنٹہ بھر ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران سائل نے اپنا دیوان دکھایا۔ میں نے اس میں سے چند غزلوں کا مطالعہ کیا پھر میں نے اپنے چند اشعار سائل کو پیش کئے جن کو دیکھ کر سائل بہت خوش ہوئے اور مجھے اپنے گھر پر آنے کی دعوت دی۔ لیکن ایک ہفتہ گذر جانے پر ان کا انتقال ہو گیا (عطاء اللہ بر ہانہ و وسع علیہ رضوانہ) اور مجھ بد قسمت کو دوبارہ ان کی ملاقات نصیب نہ ہوئی۔ بقولِ غنی کشمیری ؒ ؎

نصیبی نیست از اہل کرم برگشتہ بختان را
کہ ہرگز تر نسازد کاسۂ گرداب را دریا۔"